Prem chand k Afsanoun mein kisan aur dehat ki akkasi
B.A Urdu (Hons)
Lecture-3

پریم چند نے اپنے افسانوں میں کسانوں کی زندگی کی جس طرح عکاسی کی ہے، شاید ہی کوئی دوسرا افسانہ نگار اس طرح پیش کر سکا ہو۔ پریم چند کے دور میں کسان اپنی زمین کے مالک نہ تھے، بلکہ انھیں زمیندارانہ اور جاگیر دارانہ نظام میں بے دخلی کی دھمکی، خوف، توہین آمیز انکساری، خوشامد، چاپلوسی اور نذرانہ دینے پر مجبور کیا جاتا تھا اور زمیندار اپنے جبر و تشدد سے پورے گاؤں میں ظلم و تشدد برپا کیے رہتے تھے۔ افسانہ ''بانکا زمیندار'' میں ان کے ظلم و تشدد کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھی جاسکتی ہے ۔اس افسانے میں پریم چند نے یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ زمیندارانہ نظام میں زمیندار، جاگیر دار، ساہوکار وغیرہ کس طرح کسانوں کی فصلوں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ پریم چند کے دور میں چونکہ کسانوں پر بہت ہی زیادہ ظلم و جبر کیا جاتا تھا، جس کی بھرپور عکاسی انہوں نے اپنے اسی افسانے میں کی ہے ۔ملاحظہ ہو یہ اقتباس:

''شام کے وقت ٹھاکر صاحب نے اپنے اسامیوں کو بلایا اور تب با آواز بلند بولے ''میں نے سنا ہے کہ تم لوگ بڑے سرکش ہو اور میری سرکشی کا حال تم کو معلوم ہی ہے۔ اب اینٹ اور پتھر کا سامنا ہے۔ بولو کیا منظور ہے۔''

ایک بوڑھے کسان نے بید لرزاں کی طرح کانپتے ہوئے جواب دیا''سرکار آپ ہمارے راجہ ہیں ہم آپ سے اینٹھ کر کہاں جائیں گے۔''

ٹھاکر صاحب تیور بدل کر بولے ''تو تم لوگ سب کے سب کل صبح تک تین سال کا پیشگی لگان داخل کر دو اور خوب دھیان دے کر سُن لو کہ حکم کو دہرانا نہیں جانتا۔ ورنہ میں گاؤں میں ہل چلوادوں گا اور گھروں کو کھیت بنادوں گا۔''سارے گاؤں میں کہرام مچ گیا۔ تین سال کا پیشگی لگان اور اتنی جلدی فراہم ہونا غیر ممکن تھا۔ رات اسی حیض بیض میں کٹی۔ ابھی تک منت سماجت کی برقی تاثیر کی اُمید باقی تھی۔ صبح بہت انتظار کے بعد آئی تو قیامت بن کر آئی۔ ایک طرف تو جبر و تشدد اور ظلم و تحکم کے ہنگامے گرما گرم تھے ۔دوسری طرف دیدۂ گریاں اور آہ سرد اور نالۂ بیداد کے غریب کسان اپنے اپنے بچے لادے بیکسانہ انداز سے تاکتے آنکھوں میں التجا بیوی بچوں کو ساتھ لئے روتے بلکتے کسی نامعلوم دیارِ غربت کو چلے جاتے تھے ۔شام ہوئی تو گاؤں شہر خموشاں بنا ہوا تھا۔'' (''پریم چند کے سو افسانے''، صفحہ ۱۴۸:۱۴۹)

افسانہ ''خون سفید'' میں ایک قحط زدہ کسان جادورائے اس کی بیوی دیوکی اور اس کے بچے سادھو کی مایوس کن زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں پریم چند نے ہندو سماج میں چھوت چھات کی رسم و رواج پر بہت گہری چوٹ کی ہے۔ گاؤں

کے ایک قحط زدہ کسان کا بچہ سادھو گھر سے بھاگ کر ایک پادری موہن داس کے یہاں پناہ لیتا ہے اور جب جوان ہو کر اپنے گائوں لوٹتا ہے تو اسے اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی برادری یہ فیصلہ سناتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے گھر پر رہ سکتا ہے، لیکن اچھوت بن کر۔ لیکن سادھو یہ ذلت آمیز فیصلہ قبول نہیں کرتا ہے اور مجبوراً اپنے ماں باپ اور گائوں چھوڑ کر پھر عیسائی مشنری میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے گائوں والوں کے اس فیصلے کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور فیصلے کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

''اپنوں میں غیر بن کر رہوں؟ ذلت اٹھائوں، مٹی کا گھڑا بھی میرے چھونے سے ناپاک ہو جائے، نہ! یہ میری ہمت سے باہر ہے۔ میں اتنا بے حیا نہیں ہوں،۔۔۔۔۔۔ میں اپنے گھر میں رہنے آیا ہوں۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو میرے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے بھاگ جاؤں۔ جن کے خون سفید ہو گئے ہیں ان کے درمیان رہنا فضول ہے۔''
(''پریم چند کے سو افسانے''، پریم گوپال متّل، صفحہ: ۱۶۰)

پریم چند نے ہندوستانی دیہی معاشرے پر شدید اور گہری تنقید کی ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں متعدد جگہ اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے دیہی معاشرے میں اوہام پرستی، تعصب، تنگ نظری اور بے ہودہ رسم و رواج پائے جاتے ہیں۔ جن کا مذہب اور عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں دیہات میں بسنے والے کسانوں کے دکھ درد، ان کی مظلومی، سسکتے ارمانوں، زمینداروں کے ظلم و تشدد، سود خور مہاجنوں اور زمین کا لگان وصول کرنے والوں کی زیادتیوں کو ایک ماہر نفسیات کی طرح ایسے پیش کیا ہے کہ اس وقت کے دیہات کا پورا ماحول ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس سلسلے میں افسانہ ''بیٹی کا دھن'' انتہائی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ اس افسانہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک کسان سکھو چودھری زمیندار ٹھاکر جتن سنگھ کو لگان کی رقم وقت پر نہ دینے کے بعد سود کے بوجھ تلے دَب کر رہ جاتا ہے۔ اُس کی بیٹی گنگا جلی اُسے اپنا سارا گہنا لگان کی رقم ادا کرنے کے لئے دیتی ہے۔ لیکن سکھو چودھری اپنی بیٹی کے گہنے گروی رکھنا مہاپاپ سمجھتا ہے۔ جبکہ بالآخر بیٹی کے بہت اصرار کرنے پر وہ ایسا کرنے پر خود ہی مجبور ہو جاتا ہے۔ پریم چند نے اس افسانے کے ذریعے سے پورے دیہاتی ماحول کی بڑی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ ملاحظہ ہو یہ اقتباس:

''قُرقی کا نوٹس پہنچا، تو چودھری کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔۔۔۔۔۔ وہ چپ چاپ اپنی کھاٹ پر بیٹھا ہوا ندی کی طرف تاکتا اور دل میں سوچتا تھا کہ کیا میرے جیتے جی گھر مٹی میں مل جائے گا۔ یہ میرے بیلوں کی خوب صورت گئوئیں۔ کیا ان کی گردن میں دوسروں کا جوا پڑے گا۔ یہ سوچتے سوچتے اُس کی آنکھیں بھر آئیں اور بیلوں سے لپٹ کر رونے لگتا، مگر بیلوں کی آنکھوں سے کیوں آنسو جاری تھے۔ وہ کیوں ناند میں منھ نہیں ڈالتے تھے کیا جذبۂ درد میں وہ بھی اپنے آقا کے برابر کے شریک تھے؟

پھر وہ اپنے جھونپڑے کو مایوس نگاہوں سے دیکھتا۔ کیا ہم کو اس گھر سے نکلنا پڑے گا، یہ بزرگوں کی نشانی میرے جیتے جی مٹ جائے گی۔'' (''پریم چند کے سو افسانے''، صفحہ: ۱۸۹)

پریم چند نے دیہات کی صاف اور سیدھی سادی عوامی زندگی کا مطالعہ بڑے انہماک واستغراق کے ساتھ کیا ہے ۔ہندوستان کے دیہات اور ان کی پست حال زندگی کے مسائل شروع ہی سے پریم چند کے پیش نظر رہے ہیں۔ خصوصاً کسانوں ،مزدوروں ،بے روزگاروں، نچلے اور پچھڑے ہوئے ہریجنوں کے دکھ درد کو انھوں نے بہت ہی قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ان کے ذاتی مشاہدے اور تجربے میں صدیوں سے دبے کچلے کسانوں کی تکلیف واذیت کا احساس واضح طور پر موجود ہے۔

''پنچایت'' پریم چند کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں انہوں نے بڑے ہی فنکارانہ طور پر ایک گاؤں کی بڑھیا کی کہانی کو پیش کیا ہے ۔بڑھیا جو کہ جمن کی خالہ ہوتی ہے وہ اپنی ساری جائیداد جمن کے نام اس لئے کرتی ہے کہ اس نے روٹی و کپڑا وغیرہ دینے کا وعدہ کیا ہے ۔لیکن جمن کی بیوی اس بڑھیا سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہے اس لئے مجبور ہو کر بڑھیا آخر کار پنچایت بلاتی ہے۔ جس کی منظر کشی پریم چند نے اس طرح سے کی ہے:

Dr. H M IMRAN

Assistant Professor, Deptt, of Urdu, S.S College, Jehanabad

Mob: 9868606178

Email: imran305@gmail.com